

ایکشن سے 2018 تک!

چند دن پہلے، قومی اسمبلی میں عمران خان وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ انہیں فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔ اسی دن سیاسی جماعتوں کے قومی سربراہان نے تند و تیز تقاریر کیں۔ چھوٹے میاں صاحب نے ایکشن کو ہر سطح پر ممتاز عہد بنانے کی بھروسہ کوشش کی۔ اس بد قسمت ملک کی تقدیر کا طویل ترین عرصہ مالک رہنے کے باوجود صرف اور اصراف گلے شکوے، اذامات اور تلخ باتوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ کمال ہے کہ انہیں یقین ہی نہیں آ رہا کہ عوام کی سطح پر ووٹ کے ذریعے مکمل شکست ہوئی ہے۔ انکی تقریر نے ذہن میں پرانے ایکشنوں، طریقہ کار اور محیر العقول نتائج کے دریچے کھول دیے۔ سفاک ترین حقائق۔ کسی بھی قومی رہنماء کی تقریز ایتیات سے بالاتر نہیں تھی۔

1988 کے ایکشن سے شروع کیجئے۔ محترمہ بینظیر بھٹو کی پی پی نے پچھتر لاکھ ووٹ لیے۔ محترم نواز شریف کی A.L.A نے تقریباً ساٹھ لاکھ ووٹ حاصل کیے۔ پیپلز پارٹی کو چورانوے اور میاں صاحب کے اتحاد کو چین نشستیں ملیں۔ اس ایکشن میں پیپلز پارٹی کے غریب و وڑکو ق رائے دہی سے محروم رکھنے کیلئے ملک میں پہلی بار ووٹ ڈالنے کیلئے "شناختی کارڈ" کی شرط رکھی گئی۔ سب کو معلوم تھا کہ پیپلز پارٹی محروم طبقے کی نمائندگی کرتی ہے۔ طبقاتی جنگ میں ان مسکین لوگوں کے پاس شناختی کارڈ بنانا تقریباً ممکن تھا۔ ایکشن میں شناختی کارڈ کی شرط سے پیپلز پارٹی کو ایک تھائی سے زیادہ برتری حاصل کرنے سے ٹیکنیکل طریقے سے روک دیا گیا۔ صوبائی سطح پر محترم نواز شریف نے حکومت بنانے کیلئے جو حرbe استعمال کیے، وہ آزاد دادنی اور پست تھے۔ حد تو یہ ہے کہ ہیلی کا پڑ سے پر چیاں گروائی گئیں جس میں درج تھا، "جاگ پنجابی جاگ" ، "تیری گپ نوں لگ گیا داغ"۔ بینظیر بھٹو کی حکومت کو جزل اسلام بیگ سے ملکر محمد کر دیا گیا۔ نواز شریف کی آئی جی آئی نو سیاسی جماعتوں کا الحاق تھا۔ میاں صاحبان نے تمام جتن کیے اور پیپلز پارٹی کو حکومت کی مدت نہ پوری کرنے دی۔

1990 کا ایکشن ہر لحاظ سے ممتاز تھا۔ نواز شریف کو عسکری اداروں، خفیہ ایجنسیوں اور رسول بیور و کریسی کی بھروسہ کی حمایت حاصل تھی۔ کیا کسی کو آج اندازہ ہے کہ پیپلز پارٹی اور A.L.A میں کتنے ووٹوں کا فرق تھا۔ نواز شریف نے مجموعی طور پر صرف 79 لاکھ ووٹ حاصل کیے اور محترمہ کے ووٹ تقریباً 78 لاکھ تھے۔ سیٹوں کے فرق کو دیکھیے تو پیروں تک زمین نکل جاتی ہے۔ صرف ایک لاکھ کی عدوی برتری سے ایکشن کو اس طرح Manage کیا گیا کہ محترمہ کے پاس صرف 44 سیٹیں تھیں اور آئی جی آئی کے پاس ایک سو گیارہ نشستیں تھیں۔ کمال دیکھیے کہ صرف ایک لاکھ ووٹ کی کمی بیشی سے مسلم لیگ کو ہر طریقے سے جتا دیا گیا۔ محترمہ نے ہر سطح پر فریاد کی۔ میاں صاحب نے اسٹبلشمنٹ کے ساتھ ملکر پیپلز پارٹی پر انصاف کے تمام دروازے بند کر دیے۔ اس وقت، سپریم کورٹ بھی میاں صاحب کی جیب میں تھی۔ اصغر خان کی سپریم کورٹ میں درخواست سردخانے میں ڈال دی گئی۔ بائیس برس کے بعد 2012 میں سپریم کورٹ سے 1990 کے ایکشن کو ممتاز قرار دیا۔ غلام الحق خان، جزل اسلام بیگ اور آئی ایس آئی کے چیف اسڈروانی کو ایکشن میں مختلف سیاسی قائدین کو پیسے دینے کے اذامات درست قرار دیے گئے۔ یہ معاملہ آج تک تکمیل تک نہیں پہنچ سکا۔

1993 کا ایکشن بھی ایک عجوبہ تھا۔ ایکشن سے پہلے، غلام اسٹحق خان اور نواز شریف کی باہمی لڑائی میں دونوں کو گھر جانا پڑا تھا۔ طاقتو ریاستی ادارے اب نواز شریف کے مزاج کو سمجھ چکے تھے۔ اس ایکشن میں مسلم لیگ نے 79 لاکھ ووٹ لیے جبکہ پیپلز پارٹی نے پچھتر لاکھ ووٹ حاصل کیے۔ زیادہ ووٹ لینے کے باوجود بھی مسلم لیگ کو پیپلز پارٹی سے قومی اسمبلی کی سولہ سیٹیں کم ملیں۔ پیپلز پارٹی 89 سیٹیں لیکر مرکز میں اتحادی جماعتوں کے ساتھ ملکر حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئی۔ پنجاب میں 1985 کے بعد، پہلی مرتبہ، نواز شریف کے مخالف حکومت بنی۔ میاں صاحبان نے دھاندلی، دھنس اور کرپشن کے الزامات دہرا دہرا کراس حکومت کو تقریباً تین سال کے لگ بھگ مہلت دی۔ آپ حیران ہونگے کہ الزامات سو فیصد وہی، جو چند دن پہلے محترم شہباز شریف نے عمران خان پر لگائے۔ اس ایکشن کو چالیس بین الاقوامی مبصرین نے کافی حد تک شفاف قرار دیا۔ 1997 کا ایکشن بے حد منفرد تھا۔ اس میں ان لیگ کو بھرپور کامیابی حاصل ہوئی۔ ایک سو سے زائد سیٹیں قومی نشستیں بھی ملیں۔ مگر کیا جاننا چاہیے گے کہ اس پارٹی کو جمیعی طور پر کتنے ووٹ ملے۔ صرف اور صرف 87 لاکھ۔ پیپلز پارٹی کو تقریباً ختم کر دیا گیا۔ پیپلز پارٹی مکمل طور پر ہار گئی۔ محترمہ کوڈاٹی اذیت پہنچانے کیلئے انکے خاوند کو پابند سلاسل کر دیا گیا۔ محترمہ نے انتہائی پُر وقار طریقے سے سیاسی شکست تسلیم کر لی۔ کسی قسم کے احتجاج سے بھی انکار کر دیا۔ یورپی یونین اور کومن ولیتھ کے غیر جانبدار مبصرین نے 1997 کے ایکشن کو مکمل طور پر دھاندلی ذدہ قرار دیدیا۔ اسکو کسی بھی شفافیت کے معیار سے پست قرار دیدیا۔ میاں صاحب نے "ہیوی مینڈیٹ" کو اپنے سیاسی مخالفین کو بر باد کرنے کیلئے کھل کر استعمال کیا۔ میاں صاحب کی ایسا پر سیاسی قائدین پر ہر طرح کاریاستی جبراہ تھیا راستعمال کیا۔ یہ حکومت کیسے ختم ہوئی۔ میاں صاحب نے محنت کر کے "مارشل لاء" لگوایا۔ یہ سب کے علم میں ہے۔ 1997 کے ایکشن میں میاں صاحبان نے لوگوں کو بھرپور تاثر دیا کہ ریاستی ادارے انکی پشت پر ہیں اور نتیجہ بالکل توقع کے مطابق ہی آیا۔ 2002 کے ایکشن کا ذکر کرنا بیکار ہے۔ کیونکہ یہ مارشل لاء کی چھتری تلنے منعقد ہوئے۔

2008 کا ایکشن بے حد حیرت انگیز تھا۔ پیپلز پارٹی کو ایک کروڑ سے زیادہ ووٹ ملے اور انہیں 119 نشستیں حاصل ہوئیں۔ بی ایم ایل ق کو اسی لاکھ ووٹ ملے۔ سیٹیں صرف 50 مل سکیں۔ مسلم لیگ ن کو صرف 68 لاکھ ووٹ ملے یعنی ق لیگ سے بارہ لاکھ کم مگر انکی نشستیں 89 تھیں۔ ہر ذی شعور کو معلوم تھا کہ فوج کے سابقہ چیف، کیانی صاحب کس طرف جھکا و رکھتے تھے۔ پنجاب میں مسلم لیگ ن کو کسی قسم کی مکمل برتری حاصل نہیں تھی۔ مگر حکومت انکے حوالے کر دی گئی۔ حد تو یہ بھی تھی کہ امریکی سینیٹر جو بائڈن ایکشن سے دو دن قبل، چوہدری صاحبان کو ملے اور فرمایا کہ اگر وہ ایکشن میں جیت گئے تو امریکہ نتائج کو تسلیم نہیں کریگا۔ سعودی عرب اور برطانیہ کی مدد سے یہ ایکشن مکمل طور پر Manage کیا گیا۔ سب سے بڑا صوبہ، مسلم لیگ ن کی جھولی میں ڈال دیا گیا۔

2013 میں نواز شریف ایک کروڑ، اڑتا لیس لاکھ ووٹ لیکر 166 سیٹیں حاصل کر سکے۔ تحریک انصاف کو 76 لاکھ ووٹ ملے۔ یہ واحد ایکشن تھا جسکے تناظر میں چیف ایکشن کمشنز، فخر الدین جی ابراہیم نے استعفی دیدیا۔ انکا کہنا تھا کہ ریٹرینگ افسروں پر کمیشن کا کوئی کنٹرول نہیں تھا۔ تمام سیاسی جماعتوں نے 2013 کے ایکشن کی کمزوریوں پر احتجاج کیا۔ مگر نواز حکومت نے کوئی بھی الزام مانے

سے انکار کر دیا۔ نادرانے بھی ووٹوں کی شناخت کرنے کے عمل میں رکاوٹ ڈالی۔ انتہائی مشکوک حالات میں نادر کے چیف کونوکری سے نکال دیا گیا اور وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ ایکشن ٹرائبول کے نجح صاحبان نے کئی جگہ پر ایکشن کو انتہائی تنمازع اور جانبدار قرار دیا۔ جس بھی نجیاب قسمت سرکاری اہلکار نے یہ کہنے کی جرات کی کہ یہ ایکشن کامل طور پر عدالت کے مخصوص ریٹرنگ افسران کی مہربانی سے پایہ تکمیل تک پہنچا ہے۔ انہیں نوکری سے نکال دیا گیا۔ اسکے خاندان بھی ریاستی جبرا شکار ہو گئے۔ 2013 کا ایکشن کامل طور پر آزادگر دانا نہیں جاسکتا۔ عمران کان کی چار حلقوں پر دھاندی کے معاملے کو بھی غیر سنجیدگی سے لیا گیا اور انہیں ترقی کا دشمن قرار دیدیا گیا۔

تناظر کو بیان کرنا اسلیے لازم ہے کہ 1988 سے لیکر آج تک کوئی بھی ایکشن ایسا نہیں جس میں مسلم لیگ ن ہاری ہوا اور اس نے شکست تسلیم کر لی ہو۔ دوسرا نکتہ بے حد اہم ہے۔ گزشتہ ایکشنوں کی تاریخ کو غور سے دیکھیے۔ ان لیگ کسی بھی ایکشن میں اپنے بل بوتے پر کامیاب نہیں ہوئی۔ ریاستی اداروں کی بھرپور مدد کے بعد یہ جماعت حکومت بنانے کے قابل ہوئی۔ جزل کیانی کے اداروں کو پر کھیے۔ خود بخود اندازہ ہو جائیگا کہ کون سی جماعت کو مقدر حلقوں کی سپورٹ حاصل تھی۔ ہمارے ملک میں کیونکہ سویں سویں ادارے بے حد کمزور ہیں لہذا فطری طور پر نہ چاہتے ہوئے بھی ماضی میں ریاستی ادارے ایکشن پر اثر انداز ہوئے ہیں۔ مگر 2018 کا ایکشن ابھی چند ہفتے پہلے ختم ہوا ہے۔ تحریک انصاف نے اس ایکشن میں ایک کروڑ ستر لاکھ کے قریب ووٹ حاصل کیے ہیں۔ مسلم لیگ ن چالیس لاکھ ووٹوں سے اس پارٹی سے پیچھے ہے۔ پیپلز پارٹی صرف 70 لاکھ ووٹ حاصل کر سکی۔ اسکے نتیجے میں اقتدار کامل طور پر تحریک انصاف کو منتقل ہو چکا ہے۔

محترم شہباز شریف کی تقریب سب لوگوں نے سنی ہے۔ انہوں نے تو ایکشن کے مکمل نتائج آنے سے پہلے ہی دھاندی کا اعلان کر دیا تھا۔ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی ایکشن کمیشن کو مورد الزم ہٹھرا دیا۔ قومی اسمبلی میں تقریباً اسی پر لیس کا نفرس کا دوسرا دورانیہ تھا۔ مگر یہاں غیر متعصب طریقے سے سوال اٹھانے کی ضرورت ہے۔ کون سا ایسا ایکشن ہے جس میں ناکام فریق نے بلند ظرفی کا مظاہرہ کیا ہو۔ دھاندی کا شور تو 1988 کے ایکشن سے لیکر آج تک ہر ایکشن میں مرکزی نکتہ رہا ہے۔ مسلم لیگ ن کے تنام قائدین سابقہ روشن پر قائم رہنے گے۔ کم از کم ماضی کا تجزیہ تو یہی کہتا ہے۔ ملک کی ترقی کیلئے ایک دوسرے سے ہاتھ ملانے کیلئے کوئی فریق بھی تیار نہیں۔ کوئی بھی اپنے سیاسی مخالف کو حکومت کرنے کا حق دینے کیلئے تیار نہیں۔ یہاں تو ایک لاکھ ووٹ کی برتری کو بھی بھرپور کامیابی قرار دیا گیا۔ چالیس لاکھ ووٹوں کی شکست کو کون تسلیم کریگا۔ یہاں تو صرف یہ کلیہ کامیاب ہے کہ اگر میں جیت گیا تو ایکشن کامل طور پر شفاف ہے۔ اگر خدا نخواستہ کوئی دوسرا کامیاب ہو گیا، تو صرف دھاندی ہی دھاندی ہے۔ ان رویوں کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ کوشش بھی نہیں کرنی چاہیے۔

رأو منظر حیات